اکائی 18 ''املا اور صحت الفاظ'' کا تعارف اور منتخب متن کی تدریس و تفہیم

ساخت

18.1 اغراض و مقاصد

18.2 تمہید

18.3 ''املا اور صحت الفاظ'' کا تعارف اور منتخب متن کی تدریس و تفہیم

18.3.1 ''املا اور صحت الفاظ'' کا تعارف

18.3.2 منتخب متن کی تدریس و تفہیم

18.3.3 ماحصل

18.4 آپ نے کیا سیکھا؟

18.5 اپنا امتحان خود لیجیے

18.6 سوالوں کے جوابات

18.7 فرہنگ

18.8 کتب برائے مطالعہ

18.1 اغراض و مقاصد

عزیز طلبا / طالبات! اس اکائی میں آپ:

- ''املا اور صحت الفاظ'' کے بنیادی تصورات سے واقف ہوں گے۔
- اردو کے ذخیرے میں شامل ہونے والے نئے الفاظ کے رد و قبول کے معیار سے متعارف ہوں گے۔
- ''املا اور صحت الفاظ'' کے بارے میں علامہ شبلی کے موقف اور اس کی اہمیت سے روشناس ہوں گے۔
- علامہ شبلی کے مقالے ''املا اور صحت الفاظ'' کے منتخب متن کی قرأت کریں گے۔
- شامل نصاب متن کی تشریح و توضیح سے مستفید ہوں گے۔

18.2 تمہید

عزیز طلبا / طالبات! گذشتہ اکائی میں آپ علامہ شبلی نعمانی کے مضمون ''سر سید مرحوم اور اردو لٹریچر'' کے توسط سے سر سید سے متعارف اور منتخب متن کی قرأت کرنے کے بعد اس کے معنی و مفہوم سے مستفید ہوئے۔ اب آپ کو اس اکائی میں علامہ شبلی نعمانی کے ایک اہم اور غیر معمولی مقالہ ''املا اور صحت الفاظ'' کی اہمیت و معنویت کی جانکاری اور ساتھ ہی منتخب متن کے مطالعے کے ذریعے زبان و بیان کے بنیادی نکات سے آگہی حاصل ہوگی۔ دراصل یہ مقالہ ایک خط کے جواب میں لکھا گیا ہے جس میں غلط املا اور صحت الفاظ کے تعلق سے فکر مندی کا اظہار کیا گیا ہے۔

18.3 ''املا اور صحت الفاظ'' کا تعارف اور منتخب متن کی تدریس وتفہیم

18.3.1 ''املا اور صحت الفاظ'' کا تعارف

اس بات سے ہم سب اچھی طرح واقف ہیں کہ ہماری زبان اردو نے دیگر علاقائی اور غیر ملکی زبانوں کے لفظوں سے خاطر خواہ اکتساب کیا ہے۔ غیر ملکی زبانوں میں سب سے زیادہ فارسی اور عربی زبان سے فیض اٹھایا، ان میں بھی فارسی زبان کو بوجوہ فوقیت حاصل ہے۔ عربی کے اکثر لفظ، اردو میں فارسی کے توسط سے شامل ہوئے۔ سیاسی اثرات کی بنا پر عربی کے بے شمار الفاظ فارسی زبان کا حصہ بن گئے۔ فارسی نے ان لفظوں کو اس طرح قبول کیا کہ وہ فارسی زبان کے مزاج کا حصہ بن گئے۔ فارسی نے عربی اثرات کو اس طرح غالب نہیں ہونے دیا کہ اس کی اپنی خصوصیات فنا ہوجائیں۔ عربی کے الفاظ فارسی میں بعینہٖ اور مفرس دونوں صورتوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ قاعدہ اردو نے متفقہ طور پر تسلیم کرلیا کہ عربی کے جو الفاظ مفرس ہوکر ہم تک پہنچے ہیں انھیں مفرس شکل میں ہی استعمال کیا جائے گا، خواہ وہ اصل عربی لغت کی رو سے غلط ہی کیوں نہ ہوں۔ اردو میں عربی اور فارسی کے بہت سے لفظوں کو تصرف کے عمل سے دوچار ہونا پڑا کیوں کہ دوسری زبانوں کے بہت سے الفاظ کا اصل کے مطابق تلفظ ہماری زبان کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہوتا اور اس میں اجنبیت کا احساس ہوتا ہے۔ یعنی اصل کے مطابق تلفظ ہمارے لیے مشکل اور نامانوس ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر فارسی میں لفظ ''فِرِشتہ'' ہے لیکن اردو میں اسے ''فَرِشتہ'' کہا جاتا ہے اور یہی درست ہے۔ اسی طرح ''موسَم'' کا اصل تلفظ ''موسِم'' ہے لیکن اردو کے لیے یہ تلفظ نہایت نامانوس اور اجنبی ہے۔

حرکات واعراب کے فرق کے علاوہ بعض لفظوں میں ان کی یکسانیت کے باوجود تلفظ میں فرق آجاتا ہے اور اردو میں یہی بدلا ہوا تلفظ ہی راجح اور درست سمجھا جاتا ہے۔ عربی کے بہت سے الفاظ اردو میں اعراب کی یکسانیت کے ساتھ مستعمل ہیں لیکن ہندوستانی لہجے کے فرق کی وجہ سے تلفظ میں فرق ہے۔ مثال کے طور پر احمد، محمود، محشر، محل (قصر کے معنی میں) وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جن کے اعراب میں کوئی فرق نہیں، لیکن تلفظ میں فرق ہے۔ ان لفظوں کی ادائیگی اس طرح نہیں ہوتی جس طرح عرب کرتے ہیں۔ احمد، محمود اور محشر کے اردو تلفظ میں امالائی کیفیت ہے۔ یعنی ان لفظوں میں الف اور میم پر جو زبر ہے وہ اپنی آواز بہت کھل کر نہیں دیتا۔ محل کے 'ح' پر زبر ہے لیکن جب ہم اس لفظ کو ادا کرتے ہیں تو زیر سے مشابہ آواز نکلتی ہے۔ یہی صورت حال اردو میں شامل ہندوستانی لفظوں کی بھی ہے۔ مثلاً مہک، بہل، بہک اور دہک وغیرہ لفظوں میں 'ہ' پر زبر ہے لیکن ہمارے تلفظ میں زبر کی آواز زیر سے قریب ہوجاتی ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اردو میں عربی اور فارسی کے علاوہ دوسری زبانوں کے دخیل الفاظ بھی کثیر تعداد میں شامل ہیں۔ ان دخیل الفاظ کی اصلیت سے ناواقفیت کی بنا پر اردو میں رائج تلفظ کو درست سمجھا جاتا ہے اور ان کی صحت کے لیے رواج عام کو سند کا درجہ حاصل ہے۔

سید انشا اللہ خاں انشا نے اپنی مشہور تصنیف ''دریائے لطافت'' میں مختلف طبقوں اور گروہوں کی زبان نقل کی ہے۔اس میں انھوں نے یہ بتایا ہے کہ لفظوں کی اصل چاہے جو ہو لیکن ان کا صحیح تلفظ اور لہجہ وہی ہوگا جو شاہجہان آباد کے فصحا کا ہے۔یعنی انھوں نے کسی لفظ کے املا یا تلفظ یا محل استعمال کے صحیح یا غلط ہونے کے لیے فصحا کے روزمرہ، محاورے اور لب ولہجے کو سند قرار دیا ہے۔انشا کے زمانے میں فصحائے شاہجہان آباد سند کا درجہ رکھتے تھے لیکن آج فصحائے اردو کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے۔لہٰذا انشا کے قول کی روشنی میں املا اور صحت الفاظ کا فیصلہ فصحائے اردو کے کلام کی روشنی میں کیا جائے گا۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ املا اور صحت الفاظ کے تعلق سے اردو کے چند مشاہیر کی آرا کو یہاں نقل کر دیا جائے تاکہ یہ مسئلہ آپ کے لیے واضح، صاف، صریح ہو جائے۔ان کی روشنی میں منتخبہ متن میں شبلی کی رائے اور موقف سمجھنے میں بھی آسانی ہوگی۔

سید انشا لکھتے ہیں:

> ''جاننا چاہیے کہ جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ہو گیا خواہ وہ لفظ عربی ہو یا فارسی ترکی ہو یا سریانی، پنجابی ہو یا پوربی، اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح، وہ لفظ اردو کا لفظ ہے۔اگر اصل کے موافق مستعمل ہے تو بھی صحیح اور اگر اصل کے خلاف ہے تو بھی صحیح۔اس کی صحت اور غلطی اس کے اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے، کیوں کہ جو چیز اردو کے خلاف ہے وہ غلط ہے گو اصل میں صحیح ہو اور جو اردو کے موافق ہے وہی صحیح ہے خواہ اصل میں صحیح نہ بھی ہو۔''

مولانا الطاف حسین حالی لکھتے ہیں:

> ''لکھنؤ میں ایک صاحب نے ۱۸۹۰ء میں ایک رسالہ شعر وسخن کے متعلق لکھا ہے...اسی رسالے میں بعضے ایسے الفاظ کو واجب الترک قرار دیا ہے جو اصل زبان کی گریمر یا قیاس لغوی کے خلاف برتے اور بولے جاتے ہیں...لیکن فی الحقیقت یہ ایک غلطی ہے جو اکثر ہمارے عربی دانوں کو علم لسان کی ناواقفیت سے پیش آتی ہے...کسی زبان کے الفاظ، دوسری زبان میں جا کر اپنی اصل وضع پر قائم نہیں رہتے۔بات یہ ہے کہ ایسے لفظوں کو جو عربی یا فارسی یا انگریزی کے الفاظ ہیں، نہیں بلکہ ان کو اردو کے الفاظ سمجھنا چاہیے، جو اصل کے لحاظ سے عربی یا فارسی یا انگریزی سے ماخوذ ہیں۔''

بابائے اردو مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

''ہر اردو لفظ کو اس کی اصلی صورت میں (یعنی جس زبان سے وہ آیا ہے) لکھنا اور بولنا شروع کریں تو اردو زبان کوئی زبان ہی نہ رہے گی اور موجودہ تحریر و تقریر کے سارے الفاظ، بہ استثنائے چند، غلط ٹھہریں گے؛ کیوں کہ اس میں جس قدر الفاظ ہیں، وہ یا تو سنسکرت اور ہندی زبانوں کے ہیں یا عربی فارسی ترکی یا بعض یورپی السنہ کے۔ اردو زبان مستقل زبان اسی وقت ہوگی جب وہ ان زبانوں کے لفظ لے کر انھیں اپنا کر لے۔ اور جہاں وہ اپنے ہوئے، ان کی شکل وصورت، وضع قطع، رنگ ڈھنگ میں ضرور فرق آئے گا۔''

مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''لفظ خواہ کسی قوم وملک کے ہوں، مگر جب وہ دوسری قوم اور ملک کی زبان میں چلے جاتے ہیں، تو ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو پیدا کہیں ہوئے ہوں، لیکن جب کسی دوسرے ملک کی رعایا بن جاتے ہیں، تو اس دوسرے ملک کے قاعدے اور قانون ان پر چلا کرتے ہیں۔ اس وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ ان کی پیدائش کہاں کی ہے، اور یہ پہلے کس کی رعایا تھے۔''

پنڈت دتاتریہ کیفی لکھتے ہیں:

''جب کسی زبان کو دوسری زبانوں سے الفاظ یا مرکبات لینے کا لپکا پڑ جاتا ہے اور وہ انھیں بلا چون و چرا، یعنی اپنے طور پر تصرف کے بغیر، استعمال کی عادی ہو جاتی ہے، تو اس کی تصریفی قوت، اختراعی قابلیت اور اشتقاقی اہلیت زائل ہو جاتی ہے۔''

رشید حسن خاں لکھتے ہیں:

''ایسے الفاظ کو غلط سمجھا جائے تو یہ انداز فکر، اردو زبان کی خصوصیات کو، اور زبانوں میں لفظوں کے بننے بگڑنے کے مسلمہ اصولوں کو نظر انداز کرنے کے مرادف ہوگا۔ دنیا کی زندہ زبانوں میں ایسا نہیں ہوتا اور ہو بھی نہیں سکتا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ متعدد صاحب نظر حضرات ہر زمانے میں استعمال عام کو سند مانتے رہے ہیں اور اردو الفاظ کے لیے صراح و قاموس سے سند لینے کو غلط طرز عمل سے تعبیر کرتے رہے ہیں... ہر زمانے میں ایسے الفاظ مستعمل رہے

ہیں اور یہ استعمال کرنے والے بھی اہل زبان تھے اور ان میں اکثر کو استادی کا منصب بھی حاصل تھا۔ یہ صورت اکثر وبیش تر الفاظ کی ہے۔''

شمس الرحمٰن فاروقی لکھتے ہیں:

''آج ہم پر دو طرح کی مصیبتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ''نئے'' الفاظ کے نام پر غیر اردو اور غیر معیاری الفاظ بے تکلف برتے جارہے ہیں۔ اس طرح اردو کے اصل، سبک، اور معنی خیز الفاظ واستعمالات پیچھے دھکیلے جارہے ہیں۔ یہاں تک کہ لوگ ان کے وجود سے بھی بے خبر ہو گئے ہیں۔ اور دوسری مصیبت یہ ہے کہ معیاری اردو کا تصور ہمارے ذہنوں سے محو ہوتا جارہا ہے۔...اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ادبی زبان، عوامی زبان، عامیانہ زبان، بازار کی زبان، بازاروزبان، یہ سب فرق جو اہل اردو نے سینکڑوں برس کے ارتقا اور تفتیش وتفحص کے عمل کے نتیجے میں پیدا کیے تھے، اب مٹتے جارہے ہیں۔

بجا کہ زبان کی ترقی اور بقا کا بڑا راز اس کی قوت آخذہ وجاذبہ میں ہے۔ نئے الفاظ اور استعمالات کو ہمارے یہاں جگہ ملتی رہنی چاہیے۔ لیکن یہ الفاظ، محاورات، تراکیب، اور استعمالات وہی ہوں جن کا مرادف ہمارے پاس نہ ہو اور جو ہماری زبان کے مزاج سے ہم آہنگ بھی ہوں۔ دوسری بات یہ کہ عربی فارسی کو اردو پر تفوق دینا اور اردو کو تلفظ اور استعمال کے معاملے میں عربی فارسی، خاص کر عربی کا پابند ٹھہرانا، اور معنی کے معاملے میں فارسی کا محکوم ٹھہرانا اپنی زبان کے ساتھ ظلم کرنا اور اپنی آزادی کو نااہل لوگوں کے حوالے کر دینا ہے...
نئے الفاظ کو بے شک اور بے کھٹکے قبول کرنا چاہیے اگر ان سے کوئی ایسا مقصد پورا ہو رہا ہے جو موجودہ الفاظ سے نہیں پورا ہو رہا ہے۔ نئے الفاظ وہی رائج ہوسکیں گے جو کسی ضرورت کو پورا کریں گے اور جو ہمارے زبان کے مزاج سے ہم آہنگ ہوں گے، یا ان میں کوئی غیر معمولی تاریخی بات ہوگی...یہ بات درست ہے کہ کوئی زبان کبھی ''بالکل خالص حالت'' میں نہیں ہوتی۔ لیکن ''معیاری زبان'' کا ایک خیالی تصور ہر ترقی یافتہ زبان میں ہوتا ہے۔ اردو میں بھی یہ تصور موجود ہے۔ زبان کو برتنے والے وقتاً فوقتاً اسی خیالی تصور زبان سے استفادہ کرتے ہیں، اور ہر ترقی یافتہ زبان اسی تصور کے مطابق ارتقا کرتی ہے۔''

18.3.2 منتخب متن کی تدریس وتفہیم

عزیز طلبا وطالبات! آیئے اب ہم پہلے متن کی قرأت کرتے ہیں۔

(املا اور صحت الفاظ)

ایک معزز اور محترم بزرگ نے جو ہندوستان کے مشہور صاحب قلم اور معاملات ملکی میں بڑے اہل الرائے ہیں، ہم کو ایک نہایت طولانی خط لکھا ہے جس میں سخت افسوس کے ساتھ اس بات کی شکایت کی ہے کہ نا اہلوں کی وجہ سے اردو زبان روز بروز بگڑتی جاتی ہے اور اگر اس کا تدارک نہیں کیا جاتا تو ہماری قومی زبان برباد ہوئی جاتی ہے، ان کے خاص الفاظ یہ ہیں:

’’آج کل میں دیکھتا ہوں کہ اردو کے اخبار اور رسالے جو انگریزی پڑھے ہوئے مضامین نگار لوگ نکال رہے ہیں یا اخباروں وغیرہ میں مضامین لکھتے ہیں، ان غریبوں کے ہاتھ سے بیچاری اردو کی ایسی مٹی خراب ہونی شروع ہوئی ہے کہ توبہ۔

مضامین کا عمدہ ہونا دوسری بات ہے مگر زبان یعنی الفاظ اور املا کی غلطیاں ایسی ہوتی ہیں کہ میرا تو اکثر ان کے پڑھنے تک سے دل نفرت کرتا ہے۔ یہ حالت خود ان ہی کے لیے قابل افسوس نہیں ہے بلکہ ایسی غلط عبارتوں اور لفظوں کے شیوع سے آئندہ بہت ہی برے نتائج پیدا ہوں گے۔ لاہور کے ایک غیر انگریزی داں پرانے اخبار نویس نے جو بیچارہ سوائے عربی کے صرف معمولی سی فارسی پڑھا ہوا تھا، لفظ جناب کا مونث جنابہ بنایا، اب میں دیکھتا ہوں کہ ان کی بدولت یہ جنابت ایسی بری طرح پھیلتی جاتی ہے کہ توبہ۔

لفظ نذر اور نظر میں فرق نہیں کیا جاتا، بہ جائے نافیہ کے منفی میرے خیال میں غلط ہے، اس کا استعمال برابر ہو رہا ہے، موافقت کے مقابلے میں لفظ نفاق لکھا جارہا ہے اور جو کوئی کسی امر میں رائے مخالف رکھتا ہو اس کو اس طرح پر خواہ مخواہ منافق کہا جاتا ہے۔ ’’آپ فلاں امر کے مجاز نہیں ہیں‘‘ اس کی جگہ لکھتے ہیں کہ آپ کو اس بات کا کیا مجاز ہے۔ محاذی جگہ محاذ اور ایک بڑی ضخیم کتاب کے نویسندہ صاحب نے بہ جائے لفظ منادی یعنی واعظ کے مناد بروزن قناد و شداد اختراع کیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ آپ کی خدمت میں یہ شکایت اس لیے لکھتا ہوں کہ آپ کے اہتمام سے (جو شاید برائے نام ہے) رسالہ کالج میگزین

شائع ہوتا ہے اس میں ایسی ایسی فاش غلطیاں ہوتی ہیں کہ جن کو دیکھ کر بہت رنج ہوتا ہے اور غضب یہ ہے کہ جب کہ اس پر لکھا جاتا ہے کہ مولانا محمد شبلی صاحب کے اہتمام سے شائع ہوا تو غور فرمائیے کہ بیچارے انگریزی خواں اردو نویسوں کے لیے تو گمراہ ہو جانے کے لیے ایک بڑی دلیل ہو جائے گی، جب کوئی ان کو سمجھانا چاہے گا تو وہ یہی جواب دیں گے کہ فلاں مقام پر ہم نے ایسا ہی لکھا دیکھا ہے اور چوں کہ وہ رسالہ جناب مولانا جیسے مستند شخص کے اہتمام سے شائع ہوتا ہے، تو یہ لفظ یا املا وغیرہ وغیرہ غلط کس طرح ہو سکتا ہے، اسی طرح ہمارے ایک عالی کرم فرما مصنف و مضمون نگار نے کہیں ہمارے عرفی کا یہ شعر پڑھ لیا ہوگا۔

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

یا جناب سید صاحب کی کتاب کا نام آثار الصنادید سن لیا ہوگا۔ اب بے تکلف آثار قدیمہ کی نسبت لفظ صنادید لکھنا شروع کر دیا اور ان کی دیکھی دیکھا اور لوگ بھی غلطی میں پڑتے جاتے ہیں۔ ایک رسالہ آج کل بہار سے بنام اصلاح جاری ہوا ہے اس کے ٹائٹل کے پیج پر جو ایک عربی کا حصہ ہے وہ قابل ملاحظہ ہے:

> 'اگر آپ اخبار علی گڑھ کا ایک صفحہ واسطے اصلاح ایسے اغلاط کے مخصوص فرما کر الفاظ واملا ہائے غلط ومحاورات غیر صحیح کی تصحیح فرمایا کریں تو دنیا پر خصوصاً ہماری زبان اردو پر بڑا احسان ہو ورنہ چند ہی سال میں ایک ایسی گڈ ڈامی اردو پیدا ہوگی کہ باید وشاید 'فانظر الی الابل کیف خلقت'' یہ ضرور نہیں کہ کاتب مضمون کا نام لے کر اخبار میں نکتہ چینی کی جائے بلکہ صرف اشارہ کے طور پر لکھا جا سکتا ہے اور جب کہ ایک آدھ کالم اس کے لیے وقف کیا جائے گا تو لوگ خواہ مخواہ ناراض بھی نہ ہوں گے، کیوں کہ اس عام طریق سے کسی کی تضحیک اور توہین مقصود نہ ہوگی، بلکہ محض اصلاح زبان، زیادہ کہاں تک سامعہ خراشی کروں۔''

سب سے پہلے میں اپنے محترم بزرگ کی خدمت میں یہ گزارش کرتا ہوں کہ میں سال بھر سے کالج میگزین کا ایڈیٹر نہیں ہوں اس لیے اس کی غلطیوں کا، اگر واقعی میں ہیں، میں ذمہ دار نہیں۔

اصل بحث کی نسبت اس امر سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اردو زبان میں بہت سے ایسے الفاظ داخل ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں جو لغت اور ترکیب کے لحاظ سے غلط ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ آیا یہ عام قاعدہ قرار پاسکتا ہے یا نہیں کہ جو لفظ اصل لغت کے لحاظ سے غلط ہے اس کا استعمال بھی عموماً غلط ہے۔ فارسی زبان میں جب عربی کا اختلاط ہوا تو عربی کے سیکڑوں الفاظ اور جملے شامل ہو گئے، فارسی کے شعرا اور نثار عموماً علوم عربیہ میں نہایت مہارت رکھتے تھے، لیکن عربی الفاظ جو انھوں نے برتے، اس قدر غلط برتے کہ آج کم مایہ اردو داں اس سے زیادہ غلطی نہیں کر سکتے تاہم وہی فارسی آج تک مستند اور فصیح اور شیریں سمجھی جاتی ہے۔

چند مثالیں میں اس موقع پر نقل کرتا ہوں۔

ع بہ سخن ہائے دروغ تو تسلی شد و رفت	میسلیؔ
ع بہ نشست و قرآن خواند و بجنباند ہمی سر	قاآنیؔ
ع حمام شریف شد مزیب	والہؔ
ع شاخ بنفشہ چون بروزلفین دوست گشت	منوچہریؔ
ع قوم اشرب الصبوح یا ایھا النائمین	منوچہریؔ
ع درد بسیر دیندیش کا ین نجستہ نہاد	عرفیؔ
ع سرو من طرح نوانداختہ یعنی چہ	حزیںؔ

اصل حقیقت یہ ہے کہ زبان کی ابتدا عوام سے ہوتی ہے اور یہ گروہ صحت الفاظ سے بالکل بے خبر ہوتا ہے، خواص اسی زبان کو لے کر کاٹ چھانٹ کر اصلاح کرتے ہیں، اصلاح میں وہ بہت سے الفاظ کو اسی طرح چھوڑ دیتے ہیں جس کی وجہ کبھی تو یہ ہوتی ہے کہ وہ غلط الفاظ اس قدر عام استعمال میں رواج پا چکے ہوتے ہیں کہ صحت کے ساتھ بولے جائیں تو عام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں اور کبھی یہ کہ یہ امر زبان کی عزت اور خودمختاری کی دلیل سمجھی جاتی ہے کہ دوسری زبان کے الفاظ اس میں آئیں تو اسی کے قالب میں ڈھل کر آئیں۔

فارسی اور اردو پر موقوف نہیں۔ ہر زبان میں دوسری زبان کے الفاظ آکر اصلی حالت پر نہیں رہتے۔ البتہ چوں کہ اردو کوئی مستقل زبان نہیں بلکہ عربی، فارسی، ہندی کا مجموعہ ہے اس لیے اس کو عربی فارسی وغیرہ کے الفاظ پر تصرف کا بہت کم حق حاصل ہے۔ اس لیے جہاں تک ہوسکے اس بات کا التزام زیادہ موزوں ہے کہ غیر زبانوں کے الفاظ صحیح تلفظ اور ترکیب کے ساتھ قائم رکھے جائیں لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ اساتذۂ قدیم وجدید نے عربی وفارسی کے

بہت سے الفاظ کو اردو زبان میں غلط طور سے برتا اور آج وہی غلط استعمالات فصیح اور با محاورہ خیال کیے جاتے ہیں۔

بہرحال اس قسم کے الفاظ کے استعمال وعدم استعمال کے لیے جو قاعدہ کلیہ قرار پا سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ جو الفاظ فصحا اور مسلم الثبوت اہل زبان کے عام استعمال میں آجائیں وہ صحیح الاستعمال ہیں اور جن کو اہل زبان نے عمو ماً نہ قبول کرلیا ہو، ان کا استعمال صحیح نہیں۔ اسی بنا پر جب مشہور اساتذہ مثلاً انیس دبیر و آتش وغیرہ نے غلط الفاظ استعمال کیے تو لوگوں نے اس وقت اعتراض کیا۔ کیوں کہ وہ الفاظ فصحا کے نزدیک استعمال عام کی سند نہیں پا چکے تھے، اس لیے صرف ایک دو بزرگوں کا استعمال گو وہ کیسے ہی مسلم الثبوت استاد ہوں صحت کی دلیل نہیں قرار پا سکتا تھا۔

ہمارے محترم بزرگ نے جن الفاظ کا ذکر کیا ہے، وہ یقیناً فصحائے اہل زبان کے ہاں مستعمل نہیں ہیں، اس لیے ان کے غلط ہونے میں کچھ کلام نہیں ہوسکتا۔ بے شبہ ایسے الفاظ کو بہت سختی سے روکنا چاہیے ورنہ زبان پر بہت برا اثر پڑے گا۔ کیوں کہ اگر اس قسم کے الفاظ تحریر وتقریر میں کثرت سے پھیل گئے تو ہر شخص کہاں تک یہ تحقیق کرتا پھرے گا کہ ان میں سے کون سے فصحا کے نزدیک مقبول ہو چکے ہیں اور کون غیر مقبول۔

☆☆☆

عزیز طلبا وطالبات! ابھی آپ نے 'املا اور صحت الفاظ' کے جس متن کو پڑھا ہے اس کی تشریح وتوضیح درج ذیل ہے:

درج بالا متن کے عنوان ہی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس میں زبان کے حوالے سے دو پہلوؤں پر گفتگو کی گئی ہے۔ ایک پہلو کا تعلق الفاظ کے املا سے ہے اور دوسرے کا صحت الفاظ سے۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ کا املا بھی صحت الفاظ سے تعلق رکھتا ہے، لیکن جب املا اور صحت الفاظ پر بحیثیت دو الگ الگ اصطلاحوں کے تاکید ہو تو ان سے دو مختلف مسائل کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ وہ دو مختلف مسائل کون سے ہیں؟ ایک تو یہی کہ کسی لفظ کا املا کیا ہے؟ یعنی کسی لفظ میں کون کون سے حروف شامل ہیں؟ دوسرا مسئلہ جسے ہم صحت الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں اس کی صورت املا کی غلطی سے مختلف ہوتی ہے۔ بسا اوقات لفظ کا املا بالکل درست ہوتا ہے لیکن جس موقعے پر وہ استعمال کیا گیا ہے وہ اس کے استعمال کا محل نہیں ہے۔ یعنی صحت الفاظ کے تحت یہ دیکھا جاتا ہے کہ استعمال شدہ لفظ موقع ومحل کے اعتبار سے درست ہے یا نہیں۔ صحت الفاظ میں تلفظ کا مسئلہ بھی شامل ہے۔ نثری عبارت میں تلفظ کے صحیح یا غلط ہونے کا درست اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ عام طور پر یہ تسلیم کرلیا جاتا ہے کہ صاحب تحریر استعمال شدہ لفظ کے تلفظ سے بھی واقف ہے۔ لیکن شعری متن میں عروض کی وجہ سے عموماً تلفظ کی غلطی بھی گرفت میں آجاتی ہے۔

منتخبہ متن ایک خط کے جواب میں ہے جو کسی معزز اور محترم شخص نے علامہ شبلی کو لکھا ہے۔اس خط کا اصل محرک یہ پہلو ہے کہ مکتوب نگار کو ''کالج میگزین'' میں زبان اور صحت الفاظ کے تعلق سے بعض فاش غلطیوں پر رنج ہے۔ ان غلطیوں کے حوالے سے علامہ شبلی کو اس لیے خط لکھا گیا ہے کہ مکتوب نگار کے علم میں مذکورہ رسالہ ان کے اہتمام سے شائع ہوتا ہے۔انھوں نے اس لاعلمی کا تدارک یہ کہہ کر کیا ہے کہ وہ گزشتہ سال بھر سے ''کالج میگزین'' کے مدیر نہیں ہیں۔اس لیے اس میں واقع غلطیوں کے وہ ذمے دار نہیں۔اس متن کے دو حصے ہیں: پہلا حصہ وہ خط ہے جو علامہ شبلی کو لکھا گیا اور دوسرے حصے میں خط کے مواد کے بارے میں علامہ شبلی کے معروضات۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے خط میں درج مسائل پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

مکتوب نگار نے بنیادی طور پر تین مسائل کی طرف توجہ دلائی ہے۔ایک مسئلہ غلط لفظ اختراع کرنا، دوسرا مسئلہ املا اور تیسرا مسئلہ لفظوں کا غلط محل استعمال ہے۔سب سے پہلے لفظ 'جناب' اور 'جنابہ' کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے، جس کا تعلق غلط اختراع سے ہے۔ 'جناب' عربی کا لفظ ہے اور مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔آج کل یہ تعظیمی لفظ کے طور پر کثیر الاستعمال ہے جو کسی محترم، معزز یا مقدس شخص کے نام سے پہلے لگایا جاتا ہے۔اردو میں بعض لفظوں کے آخر میں تائے تانیث کا استعمال کر کے اس لفظ کا مونث بنا لیا جاتا ہے لیکن یہ کوئی عام یا واحد قاعدہ نہیں ہے۔ یہ بات بھی دھیان رکھنی چاہیے کہ ہر لفظ کی تانیث نہیں بنائی جاتی۔اگر 'جناب' کا مونث 'جنابہ' درست قرار دیا جائے تو 'حضرت' کا مونث 'حضرتہ' بھی درست ہونا چاہیے۔ظاہر بات ہے کہ خواہ 'جنابہ' ہو یا 'حضرتہ' دونوں ہی لفظ بطور تانیث صریحاً غلط ہیں۔ بلکہ 'جنابہ' کا جو اصل معنی ہے وہ اس موقع پر نہایت مضحکہ خیز ہے۔اگر کوئی معزز، محترم یا مقدس ہستی، عورت ہے تو اس کے نام سے پہلے تعظیماً 'جناب' لکھا جا سکتا ہے اور ایسا لکھنا بالکل درست ہے۔ جیسے ہم کئی مقدس خواتین کے نام سے پہلے تعظیماً 'حضرت' لکھتے ہیں۔مثلاً حضرت مریمؑ، حضرت ہاجرہؑ، حضرت آسیہؑ، حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت فاطمہؓ وغیرہ۔اس تعلق سے میر انیس کا درج شعر ملاحظہ کیجیے:

دادی جناب فاطمہؓ زہرا سی ذی شرف
عمو حسینؓ، صاحب لولاک کا خلف

'نذر' میں 'ذ' ساکن ہے۔اس کے معنی ہیں نثار، نچھاور، تحفہ، نیاز، فاتحہ وغیرہ جب کہ 'نظر' ایک مختلف لفظ ہے جس کے معنی بصارت، روشنی، غور و فکر، نگرانی، نگاہ وغیرہ کے ہیں۔ 'نظر' کا تلفظ بھی مختلف ہے۔اس لفظ کو 'ظ' پر زبر کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔دونوں لفظوں میں تلفظ، معنی اور املا کے فرق کو دیکھتے ہوئے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے استعمال کا مقام الگ الگ ہے۔لہٰذا 'نذر' کی جگہ 'نظر' اور 'نظر' کی جگہ 'نذر' کا استعمال بالکل غلط ہے۔

'نافیہ' حرف نفی کو کہتے ہیں یعنی وہ حرف جو کسی لفظ کے شروع میں آ کر نفی کے معنی دیتا ہے جیسے ان پڑھ، ان کہی، ان سنی، نامراد، نازیبا، اکال وغیرہ۔ جب کہ منفی کے معنی ہوتے ہیں نفی کیا گیا۔منفی ایسا جملہ ہوتا ہے جس میں

کسی کام کا نہ ہونا پایا جائے۔ منفی کے معنی نفی کیا ہوا، رد کیا ہوا اور ناپسندیدہ کے بھی ہوتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ جہاں 'نافیہ' کا محل استعمال ہو وہاں 'منفی' کا استعمال درست نہیں۔

'موافقت' کی ضد 'مخالفت' ہے نہ کہ 'نفاق'۔ 'نفاق' رکھنے والے کو 'منافق' کہا جاتا ہے اور 'اختلاف' رکھنے والے کو 'مخالف'۔ کسی امر کے خلاف رائے رکھنے والے کو مخالف اور اس عمل کو مخالفت کہا جائے گا۔ ایسے موقع پر 'نفاق' اور 'منافق' جیسے لفظوں کا استعمال بالکل غلط ہے۔ آج کل لاعلمی کی بنا پر 'مخالفت' کی جگہ 'خلافت' کا لفظ بھی خاصا عام ہو گیا ہے جو کہ صریحاً غلط ہے۔

'مُنادی' کے معنی 'وعظ' یا دین کی تلقین کے ہوتے ہیں، اس کی جگہ 'مناد' کسی طور مناسب نہیں۔ مکتوب نگار نے 'مناد' کو بجا طور پر اختراعی لفظ کہا ہے۔

سرسید احمد خاں کی ایک مشہور کتاب کا نام 'آثار الصنادید' ہے۔ اس کتاب میں دہلی کی تاریخی عمارتوں اور مقامات کی تفصیل ہے۔ اس کے مواد سے بعض لوگوں کو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ 'آثار الصنادید' کا مطلب 'آثار قدیمہ' ہے اور بلا تکلف 'آثار قدیمہ' کے موقع پر 'آثار الصنادید' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ لفظ 'صنادید'، صندید کی جمع ہے۔ صندید میں ذی اثر لوگ، امرا اور سلاطین وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی باقیات کو سرسید نے ''آثار الصنادید'' کہا ہے۔ یہ لفظ مخصوص ہے جب کہ ''آثار قدیمہ'' میں سبھی قدیم آثار شامل ہیں۔ اس لیے آثار قدیمہ کی جگہ 'آثار الصنادید' کا استعمال غلط ہے۔

اس خط کے مواد سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکتوب نگار زبان کی صحت کے تعلق سے حساس ہے اور اس پر دردمندانہ نظر ڈالی ہے۔ اس خط کا مقصد محض نکتہ چینی اور تضحیک وتوہین نہیں۔

عزیز طلبا و طالبات! آیئے اب علامہ شبلی کے معروضات پر گفتگو کرتے ہیں۔

اس خط میں درج مسائل پر علامہ شبلی کا روشنی ڈالنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ زبان اور املا کی صحت کے بارے میں وہ بھی نہایت حساس اور فکرمند ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ان کا یہ کہہ دینا کافی تھا کہ ''میں سال بھر سے کالج میگزین کا ایڈیٹر نہیں ہوں اس لیے اس کی غلطیوں کا، اگر واقعی میں ہیں، میں ذمہ دار نہیں''، لیکن وہ اس پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اصل بحث پر گفتگو کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔

اصل بحث کی نسبت علامہ شبلی اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ اردو میں بہت سے ایسے الفاظ اور ترکیبیں داخل ہو گئی ہیں یا ہوتی جا رہی ہیں جو لغت اور قواعد کے اعتبار سے غلط ہیں۔ ظاہر ہے ہم اور آپ یہی سمجھیں گے کہ جب کوئی لفظ یا لفظی ترکیب اصل لغت اور قواعد کے اعتبار سے غلط ہے تو اس کا استعمال بھی غلط قرار پانا چاہیے۔ لیکن علامہ شبلی نے یہاں ایک بنیادی سوال اٹھایا ہے کہ کیا ایسے ہر لفظ کے لیے یہ عام قاعدہ قابل قبول ہو سکتا ہے

کہ اصل لغت اور قواعد کے اعتبار سے غلط ہر لفظ کا استعمال بھی غلط ٹھہرایا جائے۔ ظاہر ہے علامہ شبلی کے سامنے زبان کی پوری روایت اور مزاج ہے۔ اسی لیے انھوں نے یہ سوال اٹھایا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ایسے بہت سے لفظ ہیں جو اصل لغت کے اعتبار سے غلط ہیں لیکن وہ زبان میں رائج ہیں اور بالکل فصیح سمجھے جاتے ہیں۔ اس کی دلیل انھوں نے فارسی کے مستند اور استاد شعرا اور نثار کے کلام سے دی ہے۔ مثال دیتے وقت انھوں نے اس بات کی نشان دہی بھی ضروری سمجھی کہ فارسی کے شعرا اور نثار عموماً علوم عربیہ پر خاصی دست رس رکھتے ہیں۔ دراصل وہ اس امر پر توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ عربی زبان اور علوم عربیہ پر دست رس رکھنے کے باوجود فارسی کے شعرا اور نثار نے عربی کے الفاظ کیوں غلط برتے؟ اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ الفاظ کے غلط استعمال کے باوجود ان کی فارسی مستند، فصیح اور شیریں سمجھی جاتی ہے۔

مندرجہ بالا امور پر توجہ دلانے کے بعد علامہ شبلی ایک اہم بات کہتے ہیں۔ دنیا کی کوئی بھی زبان ہو اصل حقیقت تو یہی ہے کہ زبانوں کی ابتدا عوام سے ہوتی ہے اور عوام قواعد اور لغت سے بے خبر ہوتی ہے۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ جب خواص یعنی فصحا، شعرا اور ادبا اس کی طرف مائل ہوتے ہیں تو اسی عوامی زبان کی کاٹ چھانٹ کر کے اصلاح کرتے ہیں۔ اصلاح کے باوجود زبان میں بعض الفاظ ایسے رائج رہتے ہیں جو اصل لغت کے اعتبار سے غلط ہوتے ہیں۔ وہ اس کے دو سبب بتاتے ہیں۔ پہلا سبب تو یہ ہے کہ ایسے الفاظ اس قدر رواج پا چکے ہوتے ہیں کہ اگر ان کی اصلاح کر دی جائے یا وہ صحت کے ساتھ بولے جائیں تو عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی، کہ دوسری زبان کے الفاظ کا کسی زبان میں اسی کے قالب میں ڈھل کر آنا زبان کی عزت اور خود مختاری کی دلیل ہے۔

علامہ شبلی نے پہلا سبب بتاتے ہوئے یہ نہیں بتایا کہ اصلاح کا معیار کیا ہوگا؟ اگر یہ بات معیار تسلیم کر لی جائے کہ کثیر الاستعمال الفاظ کی اصلاح نہیں کی جائے گی تو دوسرے سبب کا کیا جواز ہے؟ ظاہر ہے جب دوسری زبانوں کے الفاظ کا کسی زبان میں اسی کے قالب میں ڈھل کر آنا عزت اور خود مختاری کی دلیل ہے تو اصلاح کے عمل کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ان کے بیان سے محسوس ہوتا ہے کہ ایک یا کئی ماہر اشخاص بیٹھ کر دخیل الفاظ کی کسی فہرست کو دیکھ کر لفظوں کی قسمت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض الفاظ اس لیے غلط ٹھہرائے جاتے ہیں کہ ان کا استعمال قلیل ہے۔ بعض کو اس لیے قبول کر لیا جاتا ہے کہ ان کی اصلاح کی گئی تو لوگ سمجھنے سے قاصر رہیں گے اور بعض کو زبان کی عزت اور خود مختاری کی دلیل کے طور پر اپنا لیا جاتا ہے۔ لیکن علامہ شبلی کی یہ مراد ہرگز نہیں ہے۔ ہم نے دیکھا کہ انھوں نے دلائل کی بنا پر اصل لغت کے اعتبار سے غلط الفاظ کے استعمال کو غلط قرار دینے کا عام قاعدہ رد کر دیا ہے۔ اب وہ ایک قاعدۂ کلیہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں جس کی روشنی میں ان کی اصل مراد واضح ہوتی ہے۔ انھوں نے لفظوں کے استعمال کو صحیح یا غلط قرار دینے کے لیے یہ معیار تسلیم کیا ہے کہ جو الفاظ فصحا اور مسلم الثبوت اہل زبان کے عام استعمال میں آ جائیں، خواہ اصل کے اعتبار سے غلط ہی کیوں نہ ہوں وہ صحیح

الاستعمال قرار پائیں گے۔ یہی روش زبان کی عزت اور خود مختاری کی ضامن ہے اور یہ پیمانہ اردو زبان کے لیے بھی کارآمد ہے۔

علامہ شبلی نے یہ بات جو کہی ہے کہ اردو کوئی مستقل زبان نہیں بلکہ عربی، فارسی، ہندی کا مجموعہ ہے، درست نہیں۔ یہ بھی واضح نہیں ہوتا کہ ہندی سے شبلی کی کیا مراد ہے۔ اس ضمن میں حتمی بات یہی ہے کہ اردو ایک مستقل اور خود مختار زبان ہے۔ دوسری زبانوں کے دخیل الفاظ اردو کے فصحا اور مستند شعرا کے یہاں جس قالب میں ڈھل کر آئیں وہی صحیح ہیں خواہ اصل کے اعتبار سے غلط ہوں۔ انیس، دبیر اور آتش کے غلط استعمال پر ان کے معاصرین نے متقدمین سے دلیل مانگی تھی۔ یہ وہ معاصرین تھے جو انیس، دبیر اور آتش ہی کی طرح مستند اہل زبان میں شامل تھے۔ آج ایک عرصہ گذرنے کے بعد انیس، دبیر اور آتش ہمارے لیے مسلم الثبوت اور مستند اہل زبان ہیں۔ لہٰذا ان کے یہاں زبان کا استعمال ہمارے لیے صحت کی دلیل ہے۔

منتخبہ متن میں مواد کے اعتبار سے علامہ شبلی کا اسلوب نگارش اور طرز استدلال تشریحی و توضیحی ہونے کے ساتھ ساتھ صاف و صریح، منطقی اور معروضی ہے۔

18.3.3 ماحصل

ہماری زبان اردو نے دیگر علاقائی اور غیر ملکی زبانوں کے لفظوں سے زیادہ سے زیادہ اکتساب کیا ہے۔ بالخصوص فارسی اور عربی زبانوں کی طرف زیادہ مائل رہی ہے۔ ان میں بھی فارسی زبان کو بوجوہ فوقیت حاصل ہے۔ عربی کے اکثر لفظ، اردو میں فارسی کے توسط سے شامل ہوئے۔ عربی کے الفاظ فارسی میں بعینہٖ اور مفرس دونوں صورتوں میں پائے جاتے ہیں۔ اردو کے ارباب حل وعقد نے متفقہ طور پر تسلیم کرلیا کہ عربی کے جو الفاظ مفرس ہو کر ہم تک پہنچے ہیں انھیں مفرس شکل میں ہی استعمال کیا جائے گا۔ فارسی کی طرح اردو میں عربی اور فارسی کے بہت سے لفظوں کو تصرف کے عمل سے دوچار ہونا پڑا کیوں کہ دوسری زبانوں کے بہت سے الفاظ کا اصل کے مطابق تلفظ ہماری زبان کے مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔

انشا کے نزدیک جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ہو گیا خواہ وہ لفظ اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح۔ اگر اصل لغت کے موافق استعمال کیا گیا ہے تو بھی صحیح ہے اور اگر اصل کے خلاف ہے تو بھی صحیح۔ انشا کے نزدیک الفاظ کی صحت اور غلطی اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے۔ اس رواج کے خلاف جو لفظ مستعمل ہے وہ اردو کے خلاف اور غلط ہے۔

الفاظ کے تعلق سے عام قاعدہ یہ ہوسکتا ہے کہ جو لفظ اصل کے اعتبار سے غلط ہو اس کا استعمال بھی غلط قرار دیا جائے۔ لیکن یہ ناقابل قبول قاعدہ ہے کیوں کہ ایسے بہت سے لفظ ہیں جو اصل لغت کے اعتبار سے غلط ہیں لیکن وہ زبان میں رائج ہیں اور بالکل فصیح سمجھے جاتے ہیں۔ اس کی دلیل علامہ شبلی نے فارسی کے ایسے مستند اور استاد شعرا اور نثار کے کلام سے دی ہے جو علوم عربیہ پر خاصی دست رس رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود فارسی کے شعرا اور

شارنے عربی کے الفاظ غلط برتے اوران کے کلام میں شامل اصل لغت کی رو سے غلط الفاظ کا استعمال بھی مستند، فصیح اورشیریں سمجھا جاتا ہے۔

علامہ شبلی کہتے ہیں کہ زبان کی تشکیل عوام سے ہوتی ہے۔خواص اس پرغور وخوض کر کے تراش خراش کرتے ہیں جس کی وجہ سے زبان اصلاح کے عمل سے دوچار ہوتی ہے۔اصلاح کے باوجود اصل کی رو سے زبان میں رائج بعض غلط الفاظ رائج رہتے ہیں۔وہ اس کے دوسبب بتاتے ہیں۔پہلا سبب تو یہ ہے کہ ایسے الفاظ اس قدر رواج پا چکے ہوتے ہیں کہ اگران کی اصلاح کر دی جائے یاوہ صحت کے ساتھ بولے جائیں تو عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔دوسری وجہ یہ بیان کی کہ دوسری زبان کے الفاظ کا کسی زبان میں اسی کے قالب میں ڈھل کر آنا زبان کی عزت اورخودمختاری کی دلیل ہے۔انھوں نے لفظوں کے استعمال کوصحیح یاغلط قرار دینے کے لیے یہ معیار تسلیم کیا ہے کہ جوالفاظ فصحا اور مسلم الثبوت اہل زبان کے عام استعمال میں آجائیں،خواہ اصل کی اعتبار سے غلط ہی کیوں نہ ہوں وہ صحیح الاستعمال قرار پائیں گے۔یعنی لفظوں کا استعمال صحیح یا غلط ہوا ہے اس کا فیصلہ مستند اہل زبان کے روزمرہ اورمحاورے کی روشنی میں کیا جائے گا۔

18.4 آپ نے کیا سیکھا؟

عزیز طلبا/ طالبات !اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ نے:

- املا اورصحت الفاظ کے بارے میں بنیادی تصورات سے واقفیت حاصل کی۔
- اردو کے ذخیرے میں شامل ہونے والے نئے الفاظ کے ردوقبول کے معیار سے آگہی حاصل کی۔
- اردو میں شامل عربی، فارسی اور ہندوستانی بولیوں کے دخیل الفاظ کے تلفظ کی جانکاری حاصل کی۔
- املا اورصحت الفاظ کے بارے میں علامہ شبلی کے موقف اوراس کی اہمیت سے واقفیت حاصل کی۔
- شامل نصاب متن کی قرأت کی اوراس کے معنی ومفہوم کوسمجھنے کی کوشش کی۔

18.5 اپنا امتحان خود لیجیے

۱۔ سید انشا کے نزدیک کسی لفظ کی صحت اور غلطی کا دارومدار کس بات پر منحصر ہے؟ واضح کیجیے۔

۲۔ املا اورصحت الفاظ کے تعلق سے مکتوب نگار نے کن مسائل کی طرف توجہ دلائی ہے؟ مختصر بیان کیجیے۔

۳۔ علامہ شبلی نے اصل لغت اورقواعد کے اعتبار سے غلط الفاظ کے استعمال کوغلط قرار دینے کا عام قاعدہ کیوں رد کر دیا؟ وضاحت کیجیے۔

۴۔ اصلاح کے باوجود زبان میں رائج بعض غلط الفاظ کے استعمال کا شبلی نے کیا سبب بتایا ہے؟ مختصراً تحریر کیجیے۔

۵۔ علامہ شبلی نے اصل لغت کے اعتبار سے غلط الفاظ کے صحیح یا غلط ہونے کا کیا معیار بتایا ہے؟ قلم بند کیجیے۔

18.6 سوالوں کے جوابات

۱۔ انشا کے نزدیک جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ہو گیا خواہ وہ لفظ اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح۔ اگر اصل لغت کے موافق استعمال کیا گیا ہے تو بھی صحیح ہے اور اگر اصل کے خلاف ہے تو بھی صحیح۔ انشا کے نزدیک الفاظ کی صحت اور غلطی اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے۔ اس رواج کے خلاف جو لفظ مستعمل ہے وہ اردو کے خلاف ہے اور غلط ہے۔ لفظ کا صحیح استعمال وہی ہے جو اردو کے موافق ہے۔

۲۔ مکتوب نگار نے بنیادی طور پر تین مسائل کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک مسئلہ غلط لفظ اختراع کرنا، دوسرا مسئلہ املا اور تیسرا مسئلہ لفظوں کا غلط محل استعمال ہے۔

۳۔ عام قاعدہ یہ ہے کہ جو لفظ اصل کے اعتبار سے غلط ہو اس کا استعمال بھی غلط قرار دیا جائے۔ لیکن علامہ شبلی جانتے ہیں کہ ایسے بہت سے لفظ ہیں جو اصل لغت کے اعتبار سے غلط ہیں، لیکن وہ زبان میں رائج ہیں اور بالکل فصیح سمجھے جاتے ہیں۔ اس کی دلیل انھوں نے فارسی کے ایسے مستند اور استاد شعرا اور نثار کے کلام سے دی ہے جو علوم عربیہ پر خاصی دسترس رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود فارسی کے شعرا اور نثار نے عربی کے الفاظ غلط برتتے اور ان کے کلام میں شامل اصل لغت کی رو سے غلط الفاظ کا استعمال بھی مستند، فصیح اور شیریں سمجھا جاتا ہے۔

۴۔ اصلاح کے باوجود اصل کی رو سے زبان میں رائج بعض غلط الفاظ کا علامہ شبلی دو سبب بتاتے ہیں۔ پہلا سبب تو یہ ہے کہ ایسے الفاظ اس قدر رواج پا چکے ہوتے ہیں کہ اگر ان کی اصلاح کر دی جائے یا وہ صحت کے ساتھ بولے جائیں تو عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئیں گے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی کہ دوسری زبان کے الفاظ کا کسی زبان میں اسی کے قالب میں ڈھل کر آنا زبان کی عزت اور خود مختاری کی دلیل ہے۔

۵۔ علامہ شبلی نے لفظوں کے استعمال کو صحیح یا غلط قرار دینے کے لیے یہ معیار تسلیم کیا ہے کہ جو الفاظ فصحا اور مسلم الثبوت اہل زبان کے عام استعمال میں آ جائیں، خواہ اصل کی اعتبار سے غلط ہی کیوں نہ ہوں وہ صحیح الاستعمال قرار پائیں گے۔ یعنی لفظوں کا استعمال صحیح یا غلط ہوا ہے اس کا فیصلہ مستند اہل زبان کے روزمرہ اور محاورے کی روشنی میں کیا جائے گا۔

18.7 فرہنگ

(الفاظ)		(معنی)
اعادہ	:	تکرار، دوہرانا
اکتساب	:	سیکھنا، حاصل کرنا، اخذ کرنا

بعینہ : ہو بہو، جوں کا توں

مفرس : فارسی زبان کے مزاج کے مطابق ڈھالا گیا غیر زبان کا لفظ

دخیل : دوسری زبانوں سے کسی زبان میں شامل الفاظ

ماخوذ : اخذ کیا ہوا، اخذ کیا گیا

اختراعی : اختراع سے منسوب، ایجادی

تصریفی : تصریف کا عمل جس میں لفظوں کی ہیئت بدل کرنئے نئے لفظ اور ترکیبیں بنائی جاتی ہیں۔

اشتقاقی : اشتقاق سے متعلق، بناوٹ، کسی لفظ سے دوسرا لفظ بنانا

فصحا : فصیح کی جمع، خوش گفتار لوگ

السنہ : بولیاں، اظہار خیال کے لیے استعمال ہونے والی بولیاں

قوت آخذہ : اخذ کرنے کی طاقت، اکتساب کرنے کی قوت

قوت جاذبہ : جذب کی طاقت، کھینچنے کی طاقت

تفحص : تلاش، جستجو

تدارک : بھرپائی، تلافی

شیوع : شائع کی جمع، ظاہر ہونا، شائع ہونا

سامعہ خراشی : سامع کی قوت کو تکلیف پہنچانے والا، تلخ

نویسندہ : تحریر لکھنے والا

نثار : نثر لکھنے والا

18.8 کتب برائے مطالعہ

۱۔ مقالات شبلی، جلد دوم : علامہ شبلی نعمانی

۲۔ دریائے لطافت : انشاءاللہ خاں انشا

۳۔ زبان اور قواعد : رشید حسن خاں

۴۔ لغات روزمرہ : شمس الرحمٰن فاروقی

۵۔ شبلی کی علمی و ادبی خدمات : خلیق انجم